© rasailojaraid.com

کنور سلطان احمد☆

امام اعظم اور علم الحدیث

علم حدیث کے حوالے سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بہت بلند مقام پر فائز ہیں۔ آپ نے یہ علم اتنی محنت اور جاں فشانی سے حاصل کیا کہ بہت جلد اپنے ہم درس لوگوں سے آگے نکل گئے اور اپنی قابلیت کا لوہا طالب علمی ہی کے زمانے میں منوالیا۔

مسعر بن کدام کوفہ میں طالب علمی کے زمانے میں امام صاحب کے ہم درس ساتھی رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''میں امامِ اعظم کا رفیق درس تھا، وہ علم حدیث کے طالب علم بنے تو اتنی محنت کی کہ حدیث میں ہم سے آگے نکل گئے، یہی حال زہد وتقویٰ میں ہوا اور فقہ کا معاملہ تو آپ سب کے سامنے ہے(۱)''۔

کوفے میں رہتے ہوئے ہی امام صاحب کا مسعر بن کدام سے آگے نکل جانا اور مسعر بن کدام کا ان کی قابلیت کا اعتراف کرلینا، اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ سب سے پہلے امام اعظم نے کوفے میں تمام فنون کی تکمیل کرلی تھی، کیونکہ مسعر بن کدام کی علمی رفاقت امام صاحب کو کوفے ہی میں حاصل ہوئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسعر بن کدام کا طلب علم کے لیے کوفے سے باہر سفر کرنا ثابت نہیں ہے، جیسا کہ امام ذہبی نے تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

''امام مسعر بن کدام نے حدیث کی خاطر کبھی کوفے سے باہر کا سفر نہیں کیا(۲)''۔

مسعر بن کدام کس مرتبے پر فائز تھے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

''جب سفیان ثوری اور امام شعبہ کے مابین کسی مسئلے پر اختلاف ہوجاتا تو دونوں فرمایا

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے: ہمیں مسعر بن کدام کے پاس لے چلو، جو اس علم حدیث کے ترازو ہیں (۳)"۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہم نے ان کے اتقان کی بناء پر ان کا نام ہی مصحف رکھا ہوا تھا (۴)"۔

جب علم حدیث کا میزان اور ترازو یہ کہہ دے کہ وہ یعنی امام صاحب علم حدیث میں ہم سے آگے نکل گئے، تو پھر بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم حدیث میں آپ کی کیا شان ہوگی۔ اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ سرزمین کوفے پر جس قدر علم موجود تھا، امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے وہ سارا سمیٹ لیا تھا۔ اسی بنا پر جرح و تعدیل کے مسلّم امام یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں:

إنه والله اعلم هذه الأمة بما جاء عن الله ورسوله صلى الله عليه وسلم (۵)

"بہ خدا امام اعظم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ منقول ہوا ہے، اس کے دُنیا میں سب سے بڑے عالم تھے"۔

اسی بنا پر مکی بن ابراہیم الحافظ الامام شیخ خراسان نے کہا ہے:

كان أبوحنيفة زاهداً وراغباً فى الاخره عالم، صدوق اللسان أحفظ أهل زمانه (٦)۔

"امام اعظم دُنیا میں زاہد اور آخرت کی طرف راغب، عالم، صدق گو اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے"۔

علامہ احمد بن حجر الھیشمی (م: ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

"خبردار! کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہؒ کو فقہ کے علاوہ دیگر علوم پر دست رس حاصل نہ تھی، ہر گز نہیں۔ آپ علوم شرعیہ، تفسیر، حدیث اور علوم ادب وحکمت میں بحر ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے، بعض دشمنوں کا اس کے خلاف کہنا محض ان سے حسد کی وجہ سے ہے (۷)"۔

امام اعظم کے نامور شاگرد مکی بن ابراہیم (م: ۲۱۵ھ) امام بخاری کے استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیمؒ کی سند سے مروی ہیں، نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے گویا امام بخاریؒ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کا شرف امام اعظم علیہ الرحمۃ کے تلامذہ کے باعث ملا ہے۔

امام بخاری اور دیگر کتب صحاح کے اسانید میں بھی اکثر شیوخ حنفی ہیں، امام مکی بن ابراہیم نے امام اعظم کی خدمت میں رہ کر آپ سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا اور آپ سے بکثرت احادیث روایت کیں، آپ نے امام اعظمؒ کی صحبت سے بارہ سال سے زائد استفادہ کیا (۸)۔

کردری لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن یزید المقرئ المکی سمع من الإمام تسع مائة حدیث (۹)

''امام ابوعبدالرحمٰن المقریؒ (م:۲۱۳ھ) نے امام اعظم سے نوسواحادیث سماعت کیں''۔

خطیب بغدادی (م:۴۶۳ھ) نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابوعبدالرحمٰن المقرئی جب امام ابوحنیفہؒ سے حدیث روایت کرتے تو کہتے: ''قال حدثنا شاھنشاہ'' (۱۰)۔

امام بخاری کے شیخ امام مکی بن ابراہیم دس سال امام اعظم سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کریں اور محدثِ کامل ابوعبدالرحمٰن المقرئی نوسوحدیثیں سن کر آپ کو حدیث کا شاہنشاہ کہیں تو پھر امام اعظم کے حافظ الحدیث ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ نے ائمہ تابعین وغیرہ چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا، اس لیے امام ذہبی اور دیگر حضرات نے آپ کا شمار حفاظ محدثین کے طبقے میں کیا ہے، جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے حدیث کو کم اہمیت دی، یہ اس کی غفلت ہے یا پھر حسد ہے۔ یہ بات اس شخص کے متعلق کیونکر صحیح ہوسکتی ہے جس نے حدیث سے بے شمار مسائل اخذ کیے ہوں (۱۱)''۔

حالانکہ دلائل شرعیہ سے مخصوص طریقے کے مطابق استنباط کرنے والے آپ پہلے شخص ہیں، جس کا ذکر آپ کے اصحاب کی کتب میں ہے، چونکہ آپ اس اہم کام میں مشغول رہے، اس لیے آپ کی حدیثیں لوگوں میں نہ پھیل سکیں، جس طرح سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جب مسلمانوں کی ضروریات میں مشغول ہوئے تو ان سے روایت حدیث ظاہر نہ ہوئی، جیسا کہ ان کے سوا دوسرے کم عمر صحابہ کرامؓ سے ہوئی۔ اسی طرح امام مالک اور امام شافعی سے بھی فقہ میں مشغولیت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعث اس قدر احادیث ظاہر نہ ہوئیں، جیسا کہ ابوزرعہ وابن معین وغیرہ سے ظاہر ہوئیں، جو محض روایت حدیث کی طرف متوجہ رہے۔ علاوہ ازیں کثرتِ روایات بغیر درایت کے کچھ خوبی کی بات نہیں، بلکہ حافظ ابن عبدالبر نے تو اس کی مذمت میں ایک مستقل باب لکھا ہے اور کہا ہے کہ فقہاء وعلما کا مذہب یہ ہے کہ بغیر تفقہ کے کثرت سے روایت کرنا اچھا نہیں۔ محدثین کے نزدیک روایت بھی تفقہ ہے۔ عبداللہ بن مبارک کے مطابق قابل اعتماد چیز حدیث واثر ہے اور صرف رائے قبول کرو جو حدیث کی تفسیر کرے۔

اسرائیل کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ بہت اچھے بزرگ تھے، انہیں ہر ایسی حدیث جس سے کوئی فقہی مسئلہ اخذ ہوسکتا تھا، بہت اچھی طرح یاد تھی، وہ ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے تھے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے (۱۲)۔

امام زفر کہتے ہیں:

''میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ وغیرہ امام اعظم کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے، کئی بار وہ ان احادیث کے بارے میں سوال کرتے، جن کے متعلق انہیں کوئی مشکل پیش آتی'' (۱۳)۔

اگر بہ فرض محال امام ابوحنیفہؒ کو صرف سترہ احادیث یاد ہوتیں تو ایسے بڑے بڑے محدثین آپ کے پاس کیوں حاضر ہوتے؟ بلکہ امام ذہبی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

رویٰ عنه من المحدثین و الفقهاء عدة لایحصون (۱۴)۔

''آپ سے جن محدثین اور فقہا نے روایات کی ہیں، ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا''۔

محمد بن یوسف صالحی شامی نے ''عقود الجمان'' کے باب الخامس میں آپ سے روایت کرنے والے آٹھ سو حضرات کے نام لکھے ہیں (۱۵)۔ جلال الدین سیوطی نے آپ کے پچانوے تلامذہ کے نام لکھے ہیں (۱۶)۔ سفیان بن عینیہ اپنے تلامذہ کو کہتے تھے:

یا أصحاب الحدیث! تعلموا فقه الحدیث و لایقهو کم أصحاب الرأی، ما قال أبو حنیفة شیئاً إلا و نحن نروی فیه حدیثاً أو حدیثین (۱۷)۔

''اے اصحاب حدیث! تم حدیث میں تفقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحاب الرائے تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر غالب آجائیں، یہ خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے، جس پر ہم ایک یا دو حدیثیں روایت نہ کرتے ہوں"۔

امام سفیان بن عیینہؒ کے اس قول سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اصحاب الرائے تفقہ فی الحدیث کے حوالے سے ہمیشہ ممتاز رہے ہیں، اسی لیے انہوں نے اپنے اصحاب کو حدیث شریف کا فہم حاصل کرنے کی تعلیم دی۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ جو کچھ امام اعظم نے کہا ہے، اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں ایک یا دو احادیث مبارکہ موجود نہ ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم کا ہر اجتہاد و قیاس احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں:

"میں نے ابو حنیفہؒ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا اور اس کے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا، میں نے جب کبھی کسی بات میں ان کی مخالفت کی اور پھر اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو آخرت کے لحاظ سے زیادہ نجات دینے والا پایا، اکثر اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے والے ہوتے۔ جب امام صاحب کسی قول پر جم جاتے تو میں آپ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم کرنے کے لیے کوفے کے مشائخ کے پاس جاتا۔ بسا اوقات دو دو یا تین تین احادیث لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتا، تو ان میں سے کسی کے بارے میں فرما دیتے کہ یہ صحیح نہیں ہے، یا غیر معروف ہے، میں دریافت کرتا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا، حالانکہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے۔ فرماتے: میں اہل کوفہ کے تمام علم کا عالم ہوں" (۱۸)۔

امام اعظمؒ نے صرف کوفے ہی کے مشائخ سے علم حاصل نہ کیا بلکہ آپ مکہ، مدینہ اور بصرہ میں بھی حصول علم کے لیے کئی بار گئے۔ امام اعظم کے سینۂ اقدس میں احادیث مبارکہ کا کتنا بڑا خزانہ تھا، اس کا اندازہ ملا علی قاری کے اس قول سے بخوبی ہو سکتا ہے:

وعن محمد بن سماعة أن الإمام ذكر في تصانيفه نيفا وسبعين ألف حديث وانتخب الآثار من أربعين ألف حديث (۱۹)۔

"محمد بن سماعہ سے روایت ہے کہ امام اعظم نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احادیث بیان کی ہیں، چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآ ثار کا انتخاب کیا ہے"۔

امام موفق بن احمد مکی لکھتے ہیں:

"امام اعظمؒ نے کتاب الآ ثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے جن کی صحت کی آپ کو پوری تحقیق تھی" (۲۰)۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر ایک حدیث کا متن سو مختلف طریقوں اور سندوں سے ذکر کیا جائے تو محدثین کرام کی اصطلاح میں یہ سو حدیثیں ہوں گی، یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں محدث کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کی سند میں راویوں کا اضافہ ہوا، ایک ایک حدیث کو بہ کثرت راویوں نے روایت کرنا شروع کر دیا، ورنہ محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ "تمام مسند احادیث صحیح جو بلا تکرار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے" (۲۱)۔

لہٰذا جب امام اعظم کی طرف چالیس ہزار حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے تو یہ اسانید وطرق کی کثرت سے مروی روایات کی تعداد ہوتی ہے، امام حسن بن زیاد کہتے ہیں:

كان أبو حنيفة يروى أربع الاف حديث الفين لحماد والفين لسائر المشيخة (۲۲)۔

"امام اعظمؒ بلا تکرار جو احادیث روایت کرتے ہیں، ان کی تعداد چار ہزار ہے: دو ہزار احادیث انہوں نے اپنے استاد حماد اور دو ہزار دوسرے شیوخ سے حاصل کیں"۔

ان تمام دلائل و براہین کی روشنی میں ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ امام اعظم محدث اعظم تھے اور اگر نفیس احادیث کے اعتبار سے تحریر کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں اور نسبتاً کم واسطوں (راویوں) سے ہیں۔

حافظ صالحی "عقود الجمان" میں لکھتے ہیں:

كان أبو حنيفة من كبار حفاظ الحديث واعيانهم ولو لا كثرة اعتنائه بالحديث ما تهيا له استنباط مسائل الفقهية (۲۳)۔

"امام ابو حنیفہ بڑے حفاظ حدیث اور اُن فضلا میں شمار ہوتے ہیں کہ اگر وہ حدیث کا بہ کثرت اہتمام نہ کرتے تو مسائل فقہ میں استنباط کا ملکہ انہیں کہاں سے حاصل ہوتا"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام اعظم کے اصولِ اخذ قبول حدیث

پہلی صدی ہجری میں اسلامی سلطنت جوں جوں وسعت اختیار کرتی گئی، اسی طرح علمی مراکز بھی پھیلتے اور بڑھتے چلے گئے، امام اعظمؒ کے عہد تک مجموعہ ہائے احادیث، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی وساطت سے اسلامی سلطنت کے ہر ہر گوشے تک پہنچ چکے تھے اور ان احادیث مبارکہ پر عمل جاری تھا۔

آغاز میں صرف مکۃ المکرمہ اور مدینہ المنورہ میں ہی صحابہ کرامؓ اور ان کے تلامذہ کے ذریعے حدیث کی روایت بیان کرنے اور قبول کرنے کا رواج تھا، لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ بسایا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک عظیم جماعت کوفے میں آباد ہوگئی۔ اس جماعت کے سالار قافلہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، یہاں آپؓ نے ایک بہت بڑا علمی حلقہ قائم کردیا اور جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے علمی حلقہ قائم کیا، یہ حلقے حدیث کی روایت کو فروغ دیتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکومت سنبھالی۔ آپ کے دور میں خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہؓ کے ادوار میں قائم کیے گئے منظم ومنضبط ادارے درہم برہم ہو چکے تھے، صرف چند نجی اور انفرادی سطح کے ادارے موجود تھے، آپ نے حاملینِ حدیث کے دنیا سے اٹھ جانے کے خوف سے مشہور محدث محمد بن مسلم بن شہاب زہری کو متفرق ومنتشر احادیث مبارکہ جمع کرنے کا حکم دیا، امام زہری نے یہ کام بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے شروع کرتو دیا مگر ۱۰۱ھ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہوگیا، نتیجتاً جمعِ احادیث کا کام بھی متأثر ہوا، لیکن امام زہری اور ان کے تلامذہ نے بھرپور مساعی کر کے یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ ان روایات میں جو اختلافات ہیں، انہیں دور کرلیا جائے اور ان کی چھان بین کر کے ان پر بحث وتمحیص کرلی جائے۔

اس صورت حال میں ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت کی ضرورت محسوس ہوئی جو ایک طرف تو علم روایت کی امین ہو اور دوسری طرف درایت میں بھی اسے بلند مرتبہ حاصل ہو، چنانچہ اس دور میں امام اعظمؒ کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کے لیے منتخب فرمایا، آپ علم حدیث کے معروف شیوخ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استفادہ بھی کر چکے تھے، نیز علوم عقلیہ مثلاً علم الکلام وغیرہ میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے، آپؒ نے امام زہری سے بھی استفادہ کیا تھا، آپ نے حجاز مقدس میں چار سال قیام کر کے وہاں کے شیوخ اور علمی حلقوں سے بھی علم حدیث حاصل کیا تھا، کوفے میں حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نیز ان کے تلامذہ کی روایات بھی آپ کے پاس محفوظ تھیں، مگر اس نازک موقع پر آپؒ کے مدنظر روایات سے استنباط واستخراج اور استدلال کا عظیم کام تھا، لیکن استنباط واستخراج سے پہلے چونکہ ان روایات کے اخذ وقبول کا مرحلہ تھا اس لیے اس مقصد کے لیے امام اعظمؒ نے چند بنیادی اصول وضع کیے، جن میں سے چند چیدہ درج ذیل ہیں:

۱۔ راوی کا ضبط صدر

امام اعظمؒ نے روایت حدیث کے لیے جو شرائط اختیار کیں، ان میں سے پہلی شرط ضبط راوی ہے۔ بزدوی ضبط کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو اس طرح اخذ کیا جائے، جس طرح اس کے حصول کا حق ہے، پھر اس کے صحیح مفہوم کو سمجھا جائے، امکانی کوشش سے اسے یاد کیا جائے۔ پھر اس کی حدود کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور تحدیث تک اسے بار بار دہرایا جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ ذہن سے اتر جائے'' (۲۴)۔

محدثین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے راوی کے لیے چند شرائط رکھی ہیں کہ وہ مسلمان ہو، مکلف ہو، ضابط ہو اور ثقہ وعادل ہو، امام اعظم محدثین کی بیان کردہ شرائط کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ضبط کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یعنی وہ حدیث حجت ہے جسے راوی نے اپنے کان سے سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو، امام ابوجعفر الطحاوی آپ کا یہ اصول یوں نقل کرتے ہیں:

> قال أبو حنيفة: لاينبغي للرجل أن يحدث من الحديث إلا ما حفظه يوم سمعه إلى يوم يحدث به (۲۵)۔

> ''امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ عام راوی کے لیے تحدیث مناسب نہیں، ہاں وہ راوی تحدیث کرے جو سماع کے دن سے روایت کے دن تک حدیث کا حافظ ہو''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ خطیب بغدادی امام اعظمؒ کی روایت حدیث میں اس احتیاط کے سلسلے میں اپنی تاریخ میں امام یحیٰ بن معین کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

كان أبو حنيفة ثقة لايحدث بالحديث إلا ما يحفظ، ولا يحدث بما لا يحفظ (۲۶)۔

''امام ابوحنیفہؒ حدیث کی صرف وہ روایات بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں اور جن روایات کے وہ حافظ نہیں، وہ بیان ہی نہیں کرتے''۔

روایت حدیث کے سلسلے میں امام اعظم رحمہ اللہ کی اس احتیاط کو محدثین نے ''تشدد فی الروایة'' سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ قبولیت حدیث کے لیے حفظ وضبط راوی کی شرط وہ وصف ہے جس کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ دیگر محدثین اور علمائے اصول سے ممتاز ہیں۔

علامہ نووی کہتے ہیں:

فمن المشتددين من قال لا حجة إلا فيما رواه من حفظه وتذكره، روى عن مالك وأبي حنيفة (۲۷)۔

''ضبط کے سلسلے میں انتہائی احتیاط برتنے والوں کا موقف یہ ہے کہ جو راوی اپنی روایت کا پوری طرح حافظ نہ ہو، اسے روایت حدیث جائز نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مسلک بتایا گیا ہے''۔

امام سیوطی نے بھی امام اعظمؒ کے اس مسلک کو بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

هذا مذهب شديد، وقد استقر العمل على خلافه، فلعل الرواة في الصحيحين من لم يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف (۲۸)۔

''یہ بہت سخت موقف ہے، دیگر محدثین اسے اپنا نہ سکے، پس صحیحین کے نصف راوی ایسے ملیں گے جو ضبط کی اس شرط پر پورے نہ اتریں گے''۔

حافظ ابن الصلاح کا تبصرہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

من مذاهب التشديد مذهب من قال: لا حجة إلا فيما رواه الراوي عن حفظه وتذكره، وذلك مروي عن مالك وأبي حنيفة (۲۹)۔

''انتہائی محتاط مذہب اُن حضرات کا ہے جو راوی کے لیے ضبط صدر کو لازمی قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے ہیں، یہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے''۔

عبدالرحمٰن بن خلدون اگرچہ مؤرخ ہیں، تاہم انہوں نے اپنے مقدمے میں علم حدیث کے حوالے سے بھی گفتگو کی ہے، وہ بھی یہی تبصرہ کرتے ہیں:

شدد فی شروط الروایة والتحمل وضعف روایة الحدیث الیقینی إذا عارضها الفعل النفسی (۳۰)۔

''امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کی روایت کرنے اور اخذ کرنے کی شرائط میں سختی کی اور جب حدیث فعل نفسی کے خلاف ہو تو اس کی تضعیف کی ہے''۔

امام اعظمؒ نے ضبطِ صدر کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اس دور کی تاریخ کو مدنظر رکھ کر اس کے بہت سارے عوامل پر بحث کی جا سکتی ہے، لیکن یہاں اتنی تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ بہرکیف علمائے حدیث کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ جس راوی نے حدیثی روایات ضبط بالکتابۃ اور ضبط بالصدر دونوں پہلوؤں سے اخذ کی ہوں، اس کی روایات اس راوی کے مقابلے میں قابل ترجیح ہوں گی، جس نے محض کتابۃً روایات اخذ کی ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ضبط صدر کو تحدیث کے سلسلے میں جو اہمیت دی ہے، غور سے دیکھا جائے تو حدیث کے راوی کے لیے واقعی اس کی ضرورت ہے۔

۲۔ حدیث کو متقین کی جماعت روایت کرے

امام اعظم کی اخذ حدیث کی دوسری شرط اور ان کا دوسرا اصول یہ ہے کہ حدیث کو متقین کی ایک جماعت مسلسل نقل کرتی آئی ہو۔ علمائے حدیث کے نزدیک جب حدیث کے راویوں میں اسلام، تکلیف اور ضبط وعدالت کی صفات موجود ہوں تو وہ حدیث قابلِ اعتماد اور قابلِ عمل ہوتی ہے، مگر امام اعظمؒ نے ان اوصاف کے علاوہ ایک اور شرط بھی رکھی ہے کہ اس کے راوی طبقہ تابعین اور تبع تابعین میں معقول تعداد میں ہوں۔ اس سلسلے میں امام شعرانی لکھتے ہیں:

قد کان الإمام أبو حنیفة یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل العمل به أن یرویه عن ذلک الصحابی جمیع اتقیاء عن مثلهم وهکذا (۳۱)۔

''جو حدیث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، اس کی بابت امام ابوحنیفہ عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے یہ شرط لگاتے ہیں کہ اسے متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے مسلسل نقل کرتی چلی آئی ہو"۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے امام ابوحنیفہؒ کے عمل بالحدیث کے لیے جس شرط کا ذکر کیا ہے، اسے امام ذہبیؒ نے امام یحییٰ بن معین کی سند سے امام اعظمؒ کے اس قول میں بھی بیان کر دیا ہے کہ امام اعظمؒ فرماتے ہیں:

اخذ بكتاب الله فإن لم اجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والآثار الصحاح عنه التي فشت في أيدي الثقات عن الثقات فإن لم اجد فبقول أصحابه أصحابه آخذ بقول من شئت وإما إذا انتهى الأمر إلى إبراهيم والشعبي والحسن وعطا فاجتهد كما اجتهدوا(۳۲)۔

"میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے لیتا ہوں، اگر اس میں نہ ملے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے لیتا ہوں اور ان کی صحیح احادیث سے جو کہ ثقات ہی کے ذریعے شائع ہوئی ہوں، پھر اگر یہاں بھی نہ ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے، جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں، لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری اور عطاء تک آ جاتا ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا، میں بھی اجتہاد کرتا ہوں"۔

یہاں امام اعظمؒ نے واضح انداز میں بتایا ہے کہ قرآن مجید کے بعد ان کے نزدیک ایسی حدیث لائق حجت ہے، جسے ثقہ راویوں نے دوسرے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہو، امام صاحب کے نزدیک قرآن مجید اصل اول ہے اور حدیث پاک اصل ثانی، اصل ثانی کی بنیاد چونکہ روایات پر ہے، اس لیے اس کے مختلف مصادر کو اچھی طرح پرکھ کر اطمینان کر لینا چاہیے۔

امام سفیان ثوری تحدیث کے لیے امام اعظم کا اصول یوں بتاتے ہیں:

يأخذ بما صح عنده من الأحاديث التي كان يحملها الثقات(۳۳)۔

"امام اعظم وہ روایات لیتے ہیں، جو آپ کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں، جنہیں ثقہ راویوں کی جماعت نے اخذ و روایت کیا ہو"۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظمؒ نے وہی روایات لی ہیں، جنہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایۃً اور عملاً شہرت حاصل ہوگئی تھی، آپ کے دور میں چونکہ تابعین اور کبار تبع تابعین کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی، اس لیے آپ کو جتنی روایات ملیں، وہ کم سے کم واسطوں سے ملیں، بعد کے محدثین کے پاس یہ روایات چھ چھ یا سات سات واسطوں سے پہنچیں، لیکن امام اعظم علیہ الرحمہ کی روایات زیادہ تر ثنائیات اور ثلاثیات ہیں۔ نیز اس کے علاوہ ان روایات پر عمل کرتے ہوئے تابعین اور کبار تبع تابعین کو آپ نے بچشم خود دیکھا اور بعد کے محدثین کو یہ موقع نہ مل سکا، ان کے پاس جتنی روایات آئی ہیں وہ روایۃً اور وسائط کی کثرت کے ساتھ آئی ہیں۔

۳۔روایت باللفظ

روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کے سلسلے میں علمائے حدیث کے مختلف اقوال ہیں۔علماء کے ایک طبقے کے نزدیک راوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایت باللفظ کرے جبکہ دوسرے طبقے کا نظریہ یہ ہے کہ راوی اگر الفاظ ومعانی کا فہم رکھتا ہو تو روایت بالمعنی کرسکتا ہے، اس بارے میں حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

''جب کوئی راوی حدیث بالمعنی روایت کرنا چاہے تو اگر وہ الفاظ اور مقاصدِ روایت سے آگاہ نہ ہو تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں، ہ اسے روایت باللفظ ہی کرنی چاہیے، ہاں اگر راوی الفاظ اور مقصد روایت سے آگاہ ہو، تو اس میں متقدمین، محدثین، فقہا اور اہلِ اصول کا اختلاف ہے'' (۳۴)۔

جمہور کے نزدیک اس کے لیے روایت بالمعنی جائز ہے، جبکہ فقہا اور اہل اصول میں سے بعض کے نزدیک اس کے لئے معناً روایت کی اجازت نہیں ہے، خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''اکثر اسلاف اور محدثین کے نزدیک روایت بالمعنی جائز نہیں، بلکہ نہایت ضروری ہے کہ روایت باللفظ ہو، اس میں کسی قسم کی کمی بیشی اور کسی قسم کی تقدیم وتاخیر نہ کی جائے، اس موضوع پر کچھ روایات پہلے آچکی ہیں۔ ان اکابر نے عالم اور غیر عالم میں اس پہلو سے کوئی فرق روا نہیں رکھا'' (۳۵)۔

امام سیوطی نے اس کی مخالفت میں درج ذیل اکابر کا نظریہ پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

كان القاسم بن محمد وابن سيرين ورجاء بن حيوة يعيدون الحديث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی حروفه(۳۶)

’’قاسم بن محمد، امام ابن سیرین اور رجاء بن حیوۃ حدیث بیان کرتے وقت حروف کا اہتمام رکھتے تھے‘‘۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ امام سیوطی نے روایت بالمعنی کے جواز کے بارے میں لکھا ہے:

قال جمهور السلف والخلف من الطوائف منهم الأئمة الأربعة يجوز بالمعنى جميعه إذا قطع باداء المعنى (۳۷)۔

’’سلف اور خلف کی اکثریت، جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ روایت بالمعنی اس راوی کے لیے جائز ہے جو حدیث کے صحیح مفہوم کو سمجھتا اور اسے ادا کرسکتا ہو‘‘۔

لیکن علامہ سیوطی کا یہ نظریہ درست نہیں ہے، کیونکہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ دونوں روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہیں، جیسا کہ قرطبی نے تصریح کی ہے:

’’علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں، امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے، آپ کا یہ ارشاد کہ صرف اُس راوی کی روایت اپنے پاس لکھتا ہوں، جو اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات کو جانتا ہو، یہ بات آپ نے اس سوال کے جواب میں فرمائی تھی کہ آپ نے راویوں کی بہت بڑی تعداد سے ملاقات کے باوجود اُن سے استفادہ کیوں نہیں کیا؟ اسی طرح امام مالک کا ان لوگوں سے روایت نہ لینا جو متقی اور پرہیزگار تھے لیکن تحدیث نہیں جانتے تھے، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ روایت لینے میں انتہائی محتاط تھے اور روایت باللفظ کے قائل تھے‘‘(۳۸)۔

علامہ سیوطی کی طرح امام غزالی نے بھی امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ روایت بالمعنی کے قائل تھے، لیکن محدث علی قاری نے امام اعظم کے بارے میں امام ابوجعفر طحاوی کی ایک روایت کو مدنظر رکھ کر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ امام اعظم روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے، امام طحاوی کی روایت یوں ہے:

حدثنا سليمان عن شعيب، حدثنا أبي قال املى علينا أبو يوسف قال: قال أبو حنيفة: لا ينبغي للرجل أن يحدث من الحديث إلا ما يحفظه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من يوم سمعه إلى يوم يحدث به(۳۹)۔

''امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کسی راوی کے لیے حدیث کا بیان کرنا مناسب نہیں جب تک اسے سماع کے دن سے روایت کے دن تک وہ حدیث یاد نہ ہو''۔

ملا علی قاری اس روایت کی بناء پر امام اعظم کا مسلک یہ بتاتے ہیں:

حاصله أنه لم يجوز الرواية بالمعنى ولو كان مرادفاً للمغى خلافا للجمهور من المحدثين(۴۰)۔

''امام اعظم روایت بالمعنی کو جائز نہیں کہتے، چاہے وہ مرادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو، جمہور محدثین کا یہ مسلک نہیں، ان کے ہاں روایت بالمعنی جائز ہے''۔

امام نووی نے بھی اسی موقف کی تائید کی ہے، ان کے مطابق:

إذا وجد سماعه في كتابه ولا تذكره فعن أبي حنيفة وبعض الشافعية لا يجوز روايته(۴۱)۔

''اگر راوی کے پاس مخطوطہ ہو مگر مخطوطے کی روایات اسے زبانی یاد نہ ہوں، تو امام اعظم اس کی روایت کو جائز نہیں کہتے، بعض شوافع بھی اسی مؤقف کے قائل ہیں''۔

امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کسی راوی کو اپنے مخطوطے کی روایات یاد نہ ہوں تو کیا وہ انہیں روایت کرسکتا ہے؟ تو جواب دیا:

''ابوحنیفہ کے مطابق جس حدیث کا راوی اس کا حافظ و عارف نہ ہو، اسے روایت نہ کرے''(۴۲)۔

عبدالعزیز بخاری اس بارے میں لکھتے ہیں:

العزيمة أن يحفظ المسموع من وقت السماع والفهم إلى وقت الاداء، وهذا مذهب أبي حنيفة في الأخبار والشهادة(۴۳)۔

''عزیمت یہ ہے کہ راوی سماع اور فہم کے وقت سے تحدیث وروایت کے وقت تک متن کو پوری طرح یاد رکھے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اخبار وشہادت میں بھی یہی ہے''۔

عزیمت کے مقابلے میں رخصت کے بارے میں امام نفسی نے یہ رائے دی ہے:

''رخصت یہ ہے کہ حدیث میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ محکم ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راوی لغت میں بصرت وبصیرت رکھتا ہواور اگر حدیث عام ہوتو پھر غیر مجتہد کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں، یوں ہی وہ احادیث جن میں جوامع الکلم، مشکل، مشترک اور مجمل متون آئے ہوں، ان سب میں روایت بالمعنی جائز نہیں'' (۴۴)۔

روایت باللفظ کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اوران کے معاصرین نے جو موقف اپنایا یہ دراصل انتہائی احتیاط پر مبنی ہے، ان کے دور میں چونکہ حدیثی روایات سے استنباط اور استخراج کا کام ہورہا تھا، لہٰذا ضروری تھا کہ ہر روایت کو اچھی طرح جانچ لیا جائے اور حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ صحیح روایت سے استنباط ہو، جن علماء نے امام اعظم کی طرف روایت بالمعنی کے جواز کا قول منسوب کیا ہے، اس سے مراد جواز مطلق نہیں بلکہ جواز مقید ہوسکتا ہے، جیسا کہ علامہ جزائری نے لکھا ہے:

ذهب جمهور العلماء إلى جواز الرواية بالمعنى لمن يحسن ذلك بشرط أن يكون جازماً بأنه ادى معنى اللفظ (۴۵)

''اکثر علماء نے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ راوی مفہوم کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس مفہوم کی صحت کا بھی اسے یقین ہو''۔

۴۔ حدیث مسند اور مرسل

تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہو۔ ابن الصلاح کے مطابق:

أما الحديث الصحيح فهو الحديث المسند الذى يتصل اسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذا ولا معللا (۴۶)

لہٰذا محدثین ہر اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں جس کی سند منقطع ہو، اسی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کرسکتے، اسی طرح حدیث مرسل کو بھی محدثین نے ناقابل حجت قرار دیا ہے، کیونکہ تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے تو اسے ارسال کہتے ہیں، یہ بھی انقطاع ہی کی ایک قسم ہے، مثلاً سعید بن المسیب، ابن سیرین اور حسن بصری کی مرسل روایات۔ سند کے متصل ہونے کی شرط تیسری صدی ہجری کے محدثین نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگائی ہے، کیونکہ اس دور تک سند میں چھ یا سات واسطے آ گئے تھے، ان میں ارتباط و اتصال کا سراغ لگانا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ امام اعظم چونکہ عہد تابعین سے ہیں، جبکہ درمیان میں صرف دو یا تین واسطے تھے، لہٰذا کسی التباس کا ہونا ناممکن تھا، لہٰذا مسند اور مرسل دونوں احادیث مقبول تھیں۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اجمع التابعون باسرهم قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن أحد من الأئمة بعدهم إلى رأس المائتين (۴۷)

امام ابوداؤد نے اہل مکہ کے نام اپنے ایک خط میں بھی اسی کا ذکر کیا ہے:

أما المراسيل فقد كان يحتج بها العلما فيما مضى مثل سفيان الثورى، ومالك والأوزاعى، حتى جآء الشافعى فتكلم فيها، وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره (۴۸)۔

دراصل پہلی اور دوسری صدی میں تلامذہ کو اساتذہ کرام پر حد درجہ اعتماد تھا اور یہ اعتماد ان کے اتقان وتقوے کی بناء پر تھا، حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر کہتے ہیں:

ولاشك أن الغالب على حملة العلم النبوى فى ذلك الزمان العدالة (۴۹)

اسی لیے صحابہ کرام کی مراسیل بلا اختلاف حجت ہیں، چنانچہ امام شوکانی نے مراسیل صحابہ کو مسند احادیث قرار دیا ہے (۵۰)۔ امام نووی نے لکھا ہے:

''مراسیل صحابہ جمہور مشاہیر اہل اسلام کے نزدیک حجت ہیں'' (۵۱)۔

امام بیہقی کہتے ہیں:

''کبار تابعین کے مراسیل بھی صحابہ کے مراسیل کی طرح حجت ہیں، بشرطیکہ ان کے راوی عادل و مشہور ہوں اور روایت میں مجہول الحال اور ضعیف راوی نہ ہوں''۔

درج بالا مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ امام اعظم کے دور میں مرسل اور مسند احادیث دونوں متداول تھیں، امام مالک نے اپنی مؤطا میں سینکڑوں مرسل روایات درج کی ہیں اور ان میں حکماً فرق رَوا نہیں رکھا، لیکن ان کے بعد امام شافعی نے الرسالۃ میں مراسیل کی حجیت پر گفتگو کی ہے اور انہیں بعض شرائط سے مشروط کر دیا، مراسیل کو رَدّ نہیں کیا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، آپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرائط محض احتیاط کے لیے ہیں، ورنہ آپ نے کبار تابعین کی مرسل روایات کو قبول کیا ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مؤقف ہے (۵۲)۔ لہٰذا یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ امام اعظم کا مؤقف مسند اور مرسل احادیث کے بارے میں وہی ہے جو اس عہد کے جمہور محدثین فقہا اور علماء کا تھا۔

۵۔ قرأۃ الشیخ اور قرأۃ علی الشیخ

اخذ حدیث کے آٹھ متداول طرق میں سے دو طریقے سماع اور قرأۃ ہیں، محدثین کے نزدیک سماع یہ ہوتا ہے کہ شاگرد استاد کے الفاظ سنے، جسے قرأۃ الشیخ بھی کہتے ہیں، خواہ استاد کسی کتاب سے یہ الفاظ پڑھ کر سنا رہا ہو یا اپنے حافظے سے، خواہ وہ شاگرد کو املا کرائے یا نہ کروائے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

سماع لفظ الشیخ وهو املاء وغیره إلی تحدیث من غیر املاء وكل منهما یكون من حفظ الشیخ أو من كتاب له وهو أرفع الأقسام أی أعلی طرق التحمل غیر الجماهیر (۵۳)۔

"شیخ کے الفاظ کا سماع کرنا خواہ وہ کسی کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہو یا کسی اور طریقہ سے، یعنی بغیر مخطوطے کے سنا رہا ہو اور ان دونوں صورتوں میں یہ تحدیث شیخ کے حافظہ سے ہوگی یا مخطوطہ سے اور وہ سب سے اعلیٰ قسم ہے یعنی جمہور علماء کے نزدیک اخذ وتحدیث کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے"۔

شیخ زین الدین عراقی نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

سواء احدث من كتابه أو من حفظه باملاء أو بغیر املاء (۵۴)

"شیخ اپنے مخطوطہ سے تحدیث کرے یا حافظے سے دونوں برابر ہیں، اسی طرح راوی اپنے پاس کتابۃً ضبط کرے یا بالصدر ضبط کرے، دونوں جائز ہیں"۔

قرأۃ سے مراد یہ ہے کہ شاگرد کو کوئی چیز یاد ہو یا کتاب سے پڑھ کر شیخ کو سنائے، اسے قرأۃ علی الشیخ اور عرض یعنی پیش کرنا بھی کہتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

القراءة علی الشیخ ویسمیها أكثر المحدثین عرضاً من حیث أن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القاری یعرض علی الشیخ مایقرؤہ(۵۵)

''شیخ کے سامنے پڑھنے کو اکثر محدثین نے عرض کا نام دیا ہے، اس حیثیت سے کہ پڑھنے والا جو کچھ پڑھتا ہے، وہ شیخ پر پیش کرتا ہے''۔

اخذ وتحمل حدیث کے یہ دونوں طریقے جائز اور حکماً برابر ہیں، لیکن تقابل کی صورت میں محدثین سماع کو قرأت پر ترجیح دیتے ہیں، حافظ ابن الصلاح، حافظ زین الدین عراقی، حافظ ابن کثیر اور امام نووی وغیرہ نے اپنی کتب میں یہی مؤقف اپنایا ہے، امام سیوطی کا یہی نظریہ ابھی گزرا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرأۃ کی صورت سماع کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے، خطیب بغدادی کہتے ہیں:

''مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ اگر میں شیخ کے روبرو پڑھوں تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ شیخ پڑھے اور میں سنوں''(۵۶)

اس سلسلے میں حسن بن زیاد کہتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے: تمہارا شیخ کے سامنے پڑھنا سماع کے مقابلے میں زیادہ ثابت اور مؤکد ہے، کیونکہ جب شیخ تمہارے سامنے پڑھے تو وہ صرف کتاب ہی سے پڑھے گا اور جب تم پڑھو گے تو وہ کہے گا کہ میری طرف سے تم وہ روایت کرو جو تم نے پڑھا ہے، اس لیے یہ مزید تاکید ہوگی''(۵۷)

حافظ ابن کثیر امام ابو حنیفہؒ کے مؤقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وعن مالک وأبی حنیفة وابن أبی ذئب أنها أقوىٰ(۵۸)

''امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ قرأۃ افضل واقویٰ ہے''۔

امام نووی نے بھی اسی کی تائید کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

والثابت عن أبی حنیفة وابن أبی ذئب وهو روایة عن مالک(۵۹)

''امام ابو حنیفہ، ابن ابی ذئب اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قرأۃ علی الشیخ کو سماع پر ترجیح دی جائے''۔

حافظ ابن الصلاح نے بھی یہی بات لکھی ہے:

فنقل عن أبی حنیفة وابن أبی ذئب وغیرهما ترجیح القرأة علی الشیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی السماع من لفظه(٦٠)

''امام ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب وغیرہ کا مؤقف یہ نقل کیا جاتا ہے کہ قرأۃ کو سماع پر ترجیح حاصل ہے''۔

عام طور پر راوی اس حدیث کو جسے اس نے سماع کے ذریعے اخذ کیا ہے، حدثنی یا حدثنا کے صیغے سے روایت کرتا ہے اور جو حدیث قرأۃ سے اخذ کرتا ہے، اسے اخبرنی یا اخبرنا کے صیغے سے روایت کرتا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرأۃ اخذ کردہ حدیث کو بھی حدثنا کہہ کر روایت کرنا جائز ہے، چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ ایک راوی نے اگر حدیث قرأۃ اخذ کی ہو، کیا اس کے لیے حدثنا کہہ کر روایت کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس کے لیے جائز ہے، اس کا حدثنی کہنا ایسا ہے جیسا کسی کے سامنے اقراری دستاویز پڑھی جائے اور وہ کہہ دے کہ اس نے میرے سامنے دستاویز کے مشمولات کا اقرار کیا ہے''(٦١)۔

امام ابو عاصم النبیل کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک، ابن جریج، سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ ایک راوی اگر قرأۃ حدیث حاصل کرلے تو کیا اسے روایت کرتے وقت حدثنا کہنا جائز ہے؟ سب کا جواب مجھے یہی ملا لا حرج فیہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں(٦٢)۔

ابو قطن کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابوحنیفہ نے کہا:

''مجھ سے قرأۃ اخذ کرو اور حدثنا کہہ کر روایت کرو، اگر میں اس میں کسی قسم کا حرج سمجھتا تو تمہیں کبھی بھی اس کی اجازت نہ دیتا''(٦٣)۔

پس ثابت ہوا کہ قرأۃ اخذ کرنا سماع کے مقابلے میں راوی کے لیے کتنا مفید، متن کے لیے کتنا موزوں اور مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبار محدثین اور فقہا نے قرأۃ اخذ کردہ حدیث کو حدثنا کہہ کر روایت کرنا جائز قرار دیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

إنه مذهب الزهري ومالك وابن عيينه ويحيىٰ القطان والبخاري وجماعة من المحدثين ومعظم الحجازيين والكوفيين(٦٤)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''امام زہری، امام مالک، امام ابن عینیہ، امام یحییٰ القطان، امام بخاری اور محدثین کی ایک جماعت اور حجاز اور کوفہ کے اکابرین سماع اور قراۃ کو حکماً ایک درجہ دینے کے قائل ہیں''۔

۶۔خبر واحد اور امام اعظم

سادہ الفاظ میں خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ایک یا دو یا اس سے زیادہ ہوں، مگر اس میں شہرت کے اسباب نہ ہوں۔ ڈاکٹر محمود الطحان ''تیسیر مصطلح الحدیث'' میں خبر واحد کے بارے میں لکھتے ہیں:

لغة: الأحاد جمع أحد بمعنى الواحد، وخبر الواحد هو ما يرويه شخص واحد (٦٥)، اصطلاحاً: هو ما لم يجمع شروط التواتر (٦٦)

''احاد، احد کی جمع ہے، واحد (ایک) کے معنی میں مستعمل ہے اور خبر واحد اس خبر کو کہتے ہیں جس کو ایک راوی روایت کرے۔ اصطلاحاً جو متواتر کی شرائط پر پوری نہ اترتی ہو''۔

امام اعظم علیہ الرحمہ نے اخبار احاد کو سب سے پہلے قابل استدلال قرار دیا ہے، موفق بن احمد مکی لکھتے ہیں:

أبا حمزة السكرى يقول سمعت أبا حنيفة يقول: إذا جاء الحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم لم نحل عنه إلىٰ غيره واخذنا به وإذا جاء عن الصحابة تخيرنا وإذا جآء عن التابعين زاحمناهم (٦٧)

ابوحمزہ کو ابن البزاز کردری نے امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انہیں حفاظ حدیث کے طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے۔ ان کا نام محمد بن میمون مروزی ہے، لہٰذا ان کی رائے امام اعظم کے بارے میں نہایت قیمتی ہے۔ موفق مکی اسی سلسلے میں ایک اور روایت بیان کرتے ہیں:

وسمعت هذا الحديث أيضاً فى مسند أبى حنيفة برواية عبد الله بن المبارك وعن أبى حنيفة فقال إذا جاء الحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم فعلى الرأس والعين والباقى سواء (٦٨)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقف مکی اپنے اس موقف کی تائید میں امام اعظم کا یہ قول بھی لاتے ہیں:

عجباً للناس يقولون إني افتي بالرأي ما افتي إلا بالاثر (٦٠)

امام اعظم کے اس مسلک کو حافظ ابن حزم نے بھی ذکر کیا ہے:

هذا أبو حنيفة يقول: ماجآء عن الله تعالىٰ فعلى الرأس والعين وما جآء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعاً وطاعةً، وماجآء عن الصحابة تخيرنا من أقوالهم ولم نخرج عنهم وماجاء نا عن التابعين فهم رجال ونحن رجال (٧٠)

بعض ائمہ حدیث نے امام اعظم پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث کو نا قابل عمل قرار دے کر چھوڑ دیا ہے۔ اس کا جواب ابن عبدالبر نے اس طرح دیا ہے:

كثيرٌ من أهل الحديث أتجاوز الطعن على أبي حنيفة لرده كثيرا من أخبار الأحاد العدول لأنه كان يذهب في ذلك إلىٰ عرضها علىٰ ما اجتمع عليه من الأحاديث ومعاني القرآن فما شذ من ذلك رده وسماه شاذاً (٧١)

''اکثر اہل حدیث نے ابو حنیفہؒ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اکثر صحیح اخبار احاد کو رد کر دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک جب حدیث اور قرآن کو جمع کرنے سے تعارض واقع ہوتا ہے تو وہ خبر واحد کو رد کر دیتے ہیں اور اسے شاذ کہتے ہیں''۔

خبر واحد کے سلسلے میں خطیب بغدادی محدثین کے موقف کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''خبر واحد پر عمل کرنے میں تمام تابعین کا اتفاق ہے اور تابعین کے بعد آج تک کے مختلف بلاد کے فقہا کا اس پر اجماع ہے، ہمارے علم میں کوئی بھی اس کا منکر نہیں، نہ ہی اس پر آج تک کسی نے اعتراض کیا ہے۔ ان کا یہ اتفاق بتا رہا ہے کہ ان سب کے نزدیک اس پر عمل واجب ہے، اگر کہیں بھی انکار ہوا ہوتا تو تاریخ میں ضرور اس کا ذکر ہوتا'' (۷۲)۔

چونکہ امام اعظمؒ کے عصر و عہد میں حدیث نبوی میں دروغ گوئی کا آغاز ہو گیا تھا، اس لیے آپ نے خدا کے دین میں حزم و احتیاط کے پیش نظر خبر واحد کی قبولیت کے لیے کڑی شرطیں عائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیں، آپؒ کی عائد کردہ شرائط حسب ذیل ہیں:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ حدیث ان اصول وضوابط کے خلاف نہ ہو، جو شرعی مآخذ کی چھان بین کے بعد آپ نے مقرر کیے تھے، جب خبر واحد ان سے معارض ہوگی تو اسے چھوڑ کر دونوں دلیلوں میں سے اقویٰ پر عمل کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حدیث ظواہر کتاب اور اس کے عمومات سے متصادم نہ ہو، جب حدیث ان کے متعارض یا خلاف ہوگی تو ظاہر کتاب پر عمل کیا جائے گا اور حدیث متروک العمل ٹھہرے گی، البتہ جب حدیث کسی مجمل قرآنی حکم کی وضاحت کرے یا جدید حکم کی تصریح کرے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حدیث کسی قولی یا فعلی حدیث مشہور کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ کبھی اپنی ہم مرتبہ حدیث کے خلاف نہ ہو، اگر دونوں باہم متعارض ہوں گی تو ان میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً دونوں راوی صحابی ہوں مگر ایک فقیہ تر ہو یا ایک فقیہ اور دوسرا غیر فقیہ ہو یا ایک نوجوان اور دوسرا بوڑھا ہو، کیونکہ اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے حدیث مرجوع کے مقابلے میں راجح پر عمل کیا جاتا ہے۔

۵۔ پانچویں شرط ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو، مثلاً ابو ہریرہؓ کی یہ روایت کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے، یہ ان کے اپنے فتوے کے خلاف ہے۔

۶۔ حدیث کے متن یا سند میں کوئی ایسا اضافہ نہ ہو جو کسی دوسری روایت میں موجود نہ ہو۔

۷۔ حدیث کا تعلق کسی ایسے معاملے سے نہ ہو جو لوگوں میں کثیر الوقوع ہو، اس لیے کہ اس صورت میں حدیث کا مشہور یا متواتر ہونا ضروری ہے۔

۸۔ جب کسی مسئلے میں دو صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہو تو دونوں میں سے ایک نے اس حدیث سے استدلال کرنا ترک نہ کر دیا ہو، جسے ان میں سے ایک نے روایت کیا ہو۔ اس لیے کہ اگر وہ حدیث ثابت ہوتی تو ان میں سے ضرور ایک اس سے استدلال کرتا۔

۹۔ علمائے سلف میں سے کسی نے اس حدیث پر تنقید نہ کی ہو۔

۱۰۔ جب حدود وعقوبات کے سلسلے میں روایات مختلف ہوں تو اس روایت پر عمل کیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں خفیف سزا کا حکم دیا گیا ہو۔

۱۱۔ صحابہ وتابعین اس حدیث پر بلا تخصیص دیار و بلاد عامل رہے ہوں۔

۱۲۔ راوی اپنی تحریر کی بجائے اپنے حافظے پر اعتماد کرے (۷۳)۔

خلاصہ بحث

یہ ہیں وہ شرائط جو امام ابو حنیفہؒ نے خبر واحد کے سلسلے میں اس کی صحت اور اس پر عمل کرنے کے لیے ضروری قرار دی ہیں۔ بعض محدثین نے آپؒ سے اس سلسلے میں اختلاف بھی کیا ہے اور بعض ائمہ آپ کے خلاف بھی ہیں، تاہم یہ شرائط امجم صاحب کے موقف کی صداقت کی آئینہ داری کرتی ہیں۔

امام اعظمؒ کے بیان کیے ہوئے بے شمار مسائل میں سے چند اصول وقواعد بیان کیے گئے ہیں، ورنہ روایات کے قبول ورد میں امام اعظمؒ کی تمام شروط کا احاطہ کرنا بے حد مشکل ہے، بہر حال ان قواعد سے امام اعظمؒ کی جس عمیق نظر، اصابت فکر اور انتہائی احتیاط کا پتہ چلتا ہے، وہ اہل علم وبصیرت پر مخفی نہیں ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین نے امام اعظمؒ کی شروط کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے، اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امام اعظمؒ کے وضع کردہ اصول وشرائط پر متفق ہو جاتے تو آج ہمارا ذخیرۂ حدیث موضوع اور بے اصل روایات سے بالکل منزہ اور پاک ہوتا۔

حوالے

۱۔ ذہبی، محمد بن احمد، ابو عبد اللہ، شمس الدین، الحافظ (م: ۷۴۸ھ)، مناقب الامام، دار الکتاب العربی مصر، (س ن) ص ۲۷۔

۲۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۷۹۔

۳۔ حوالہ سابق۔

۴۔ حوالہ سابق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ نعمانی، عبدالرشید، مولانا، ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة، قدیمی کتب خانہ کراچی (س ن) ج ۱، (مقدمہ)، ص ۳۲۔

۶۔ ذہبی، مناقب الامام، ص ۱۹۔

۷۔ ابن حجر ہیثمی المکی، شہاب الدین احمد (م: ۹۷۳ھ)، الخیرات الحسان، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۴۱۴ھ، ص ۶۴۔

احذر أن تتوهم من ذلک أن أباحنيفة لم يكن له خبرة تامة بغير الفقه، حاشا و كلاً كان في العلوم الشرعية من التفسير والحديث والآلة من العلوم الادبية والمقايس الحكمية بحر الايجاري، وإماما لا يماری، وقول بعض أعدائه فيه خلاف ذلک منشوءه الحسد.

۸۔ موفق بن احمد مکی (م: ۵۷۸ھ)، مناقب الاسلام، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ، ج ۱، ص ۶۴۔

۹۔ ابن البزاز کردری، محمد بن محمد بن شہاب ابن البزاز، حافظ الدین (م: ۸۲۷ھ)، مناقب الامام، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ، ج ۲، ص ۲۱۹۔

۱۰۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابی بکر، الحافظ (م: ۴۶۳ھ)، تاریخ بغداد، دار الکتاب العربی مصر (س ن) ج ۱۳، ص ۳۴۵۔

۱۱۔ ابن حجر ہیثمی، الخیرات الحسان، الفصل الثلاثون، ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

۱۲۔ سیوطی، عبدالرحمٰن، جلال الدین (م: ۹۱۱ھ)، تبییض الصحیفۃ، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶۔

۱۳۔ موفق بن احمد مکی، مناقب الامام، ج ۲، ص ۱۴۹۔

۱۴۔ ذہبی، مناقب الامام، ص ۱۱۔

۱۵۔ محمد بن یوسف صالحی (م ۹۴۲ھ)، عقود الجمان، مکتبۃ الشیخ کراچی، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء، ص ۱۰۹/۹۱۔

۱۶۔ سیوطی، تبییض الصحیفہ، ص ۶۳۔

۱۷۔ حاکم، محمد بن عبداللہ، ابوعبداللہ، نیشاپوری (م: ۴۰۵ھ)، معرفۃ علوم الحدیث، دار احیاء التراث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العلوم بیروت، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء، ط:۱،ص ۱۱۴۔

۱۸۔ صالحی، عقود الجمان، ص ۳۲۱۔

۱۹۔ ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد القاری (م:۱۰۱۴ھ)، ذیل الجواہر المضیہ، میر محمد کتب خانہ کراچی (س ن) ج ۲، ص ۴۷۴۔

۲۰۔ موفق مکی، مناقب الامام، ج ۱، ص ۹۵۔

۲۱۔ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی (م:۸۴۰ھ)، تنقیح الانظار، مکتبۃ النہضۃ الاسلامیہ مصر، ۱۴۰۵ھ، ص ۹۶۔

۲۲۔ موفق مکی، مناقب الامام، ج ۱، ص ۹۶۔

۲۳۔ صالحی، عقود الجمان، ص ۳۱۹۔

۲۴۔ مالبزدوی، علی بن محمد، الامام، اصول البزدوی (كنز الوصول إلى معرفة الاصول)، قدیمی کتب خانہ کراچی (س ن) ص ۱۶۵۔

۲۵۔ ملا علی قاری، شرح مسند الامام، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۵۸ء، ص ۷۔

۲۶۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۱۹۔

۲۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۵۵۔

۲۸۔ حوالہ سابق۔

۲۹۔ ابن الصلاح، عثمان عبد الرحمٰن، الشہر زوری (م:۶۴۶ھ)، مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، المکتبۃ الفاروقیہ ملتان (س ن) ص ۱۰۲۔

۳۰۔ ابن خلدون، مقدمہ، ص ۴۹۵۔

۳۱۔ الشعرانی، عبد الوہاب، المیزان الشریعۃ الکبریٰ، مکتبۃ النہضۃ الاسلامیہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ص ۲۶۔

۳۲۔ ذہبی، مناقب الامام، ص ۲۰-۲۱۔

☆ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۶۸۔

۳۳۔ ذہبی، مناقب الامام، ص ۲۰۔

۳۴۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص ۱۰۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(إذا أراد الراوی) روایة ما سمعه علی معناه دون لفظه، فإن لم یکن عاطاً عارفاً بالالفاظ ومقاصدها، خبیراً بها یحیل معانیها، بصیراً بمقادیر التفاوت فلا خلاف أنه لا یجوز له ذلک، وعلیه أن لا یروی ما سمعه إلا علی اللفظ الذی سمعه من غیر تفسیر...... فإما إذا کان عالماً عارفاً بذلک فهذا مما اختلف فیه السلف وأصحاب الحدیث وأرباب الفقه والأصول.

۳۵۔ خطیب بغدادی، الکفایة فی علم الروایة، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد (الہند)، ۱۳۵۷ھ، ص ۷۰۔

۳۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۵۹۔

۳۷۔ حوالہ سابق، ص ۵۸۔

۳۸۔ الجزائری، طاہر بن صالح (م: ۱۳۳۸ھ)، توجیه النظر إلی أصول الأثر، مکتبہ دارالجیل بیروت، ط: ۱، ۱۴۰۸ھ، ص ۳۰۵۔

ذهبت طائفة من العلماء إلی أنه لا تجوز الروایة بالمعنی مطلقا، وهو الصحیح من مذهب مالک ودلیل علی ذلک قوله: لا اکتب إلاعن رجل یعرف ما یخرج من راسه وذلک فی جواب من سأله: لم تکتب عن الناس وقد ادرکتم متواخرین وکذلک ترکه الاخذ ممن لهم فضل وصلاح إذا کانوا لا یعرفون ما یحدثون به۔

۳۹۔ ملا علی قاری، شرح مسند الامام، ص ۷۔

۴۰۔ حوالہ سابق۔

۴۱۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۵۷۔

۴۲۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۲۳۱۔

۴۳۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار، مطبعۃ المیزیہ مصر، ۱۴۰۶ھ، ج ۲، ص ۴۳۔

۴۴۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم (م: ۱۰۰۵ھ)، فتح الغفار شرح المنار، دارصادر بیروت، ۱۹۸۶ء، ج ۲، ص ۴۲۔

والرخصة أن ینقله بمعناه، فإن کان محکما لایحتمل غیره یجوز نقله بالمعنی لمن له بصیرة فی وجوه اللغة، وإن کان ظاهراً یحتمل غیره فلا یجوز نقله

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالمعنى إلا للفقيه المجتهد، وما كان من جوامع الكلم أو المشكل أو المشترك أو المجمل لايجوز نقله بالمعنى للكل.

۴۵۔ الجزائری، توجیہ النظر الی علم الاثر، ص ۳۰۵۔

۴۶۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ۷-۸۔

۴۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج۱، ص ۱۰۴۔

۴۸۔ حازمی، الامام ابوبکر، تعلیقات علی شروط الائمة الخمسة، نور محمد اصح المطابع کراچی، ص ۴۵۔

۴۹۔ محمد بن ابراہیم، الوزیر، تنقیح الانظار فی علوم الآثار، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ، ص ۱۴۸۔

۵۰۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، الامام (م: ۱۲۵۰ھ)، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء، ص ۱۶۵۔

۵۱۔ نووی، تقریب النواوی، ص ۴۲۔

۵۲۔ البیہقی، احمد بن حسین بن علی، ابی بکر، الامام (م: ۴۵۸ھ)، السنن الکبری، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط: ۱، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء، ص ۶۸۔

۵۳۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۸۔

۵۴۔ محمد بن ابراہیم الوزیر، تنقیح الانظار، ج ۲، ص ۲۹۷۔

۵۵۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۱۲۔

۵۶۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۲۷۶۔

۵۷۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، عماد الدین (م: ۷۷۴ھ)، اختصار علوم الحدیث، دار التراث القاہرہ، ۱۳۹۹ھ، ص ۱۱۰۔

۵۸۔ حوالہ سابق۔

۵۹۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۹۔

۶۰۔ ابن الصلاح، مقدمہ، ص ۶۵۔

۶۱۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۲۰۷۔

۶۲۔ حوالہ سابق۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۳۔ حوالہ سابق

۶۴۔ سیوطی، تدریب الراوی، ج ۲، ص ۱۰۔

۶۵۔ محمود الطحان، الدکتور، تیسیر مصطلح الحدیث، مکتبہ الفاروقیہ ملتان (س ن) ص ۲۱۔

۶۶۔ ابن حجر عسقلانی، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مکتبہ الفارقیہ ملتان (س ن) ص ۲۱۔

۶۷۔ موفق مکی، مناقب الامام، ج ۱، ص ۷۷۔

۶۸۔ حوالہ سابق۔

۶۹۔ حوالہ سابق۔

۷۰۔ ابن حزم، عمرو بن علی بن حزم، الأحکام فی أصول الأحکام، مکتبۃ الخانجی مصر، ۱۳۴۵ھ، ج ۱، ص ۹۶۔

۷۱۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبداللہ، الاندلسی، (م: ۴۶۳ھ)، الانتقاء، مکتب المطبوعات الاسلامی حلب، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء، ص ۴۵۔

۷۲۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۶۳۔

۷۳۔ مصطفیٰ سباعی، السنۃ ومکانتھا فی التشریع الإسلامی، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ص ۴۲۹۔

مَا اُوْتِیَ اِمْرَءٌ شَرًّا مِنْ طَلَاقَةِ اللِّسَانِ

(نقد النثر)

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی

مرسلہ جانب

(مولانا) عبدالحنان

فاضل جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی

© rasailojaraid.com